ISSN 1992-5018

ISLAMABAD LAW REVIEW

Quarterly Research Journal of Faculty of Shariah& Law, International Islamic University, Islamabad

Volume 3, Number 1&2, Spring/Summer 2019

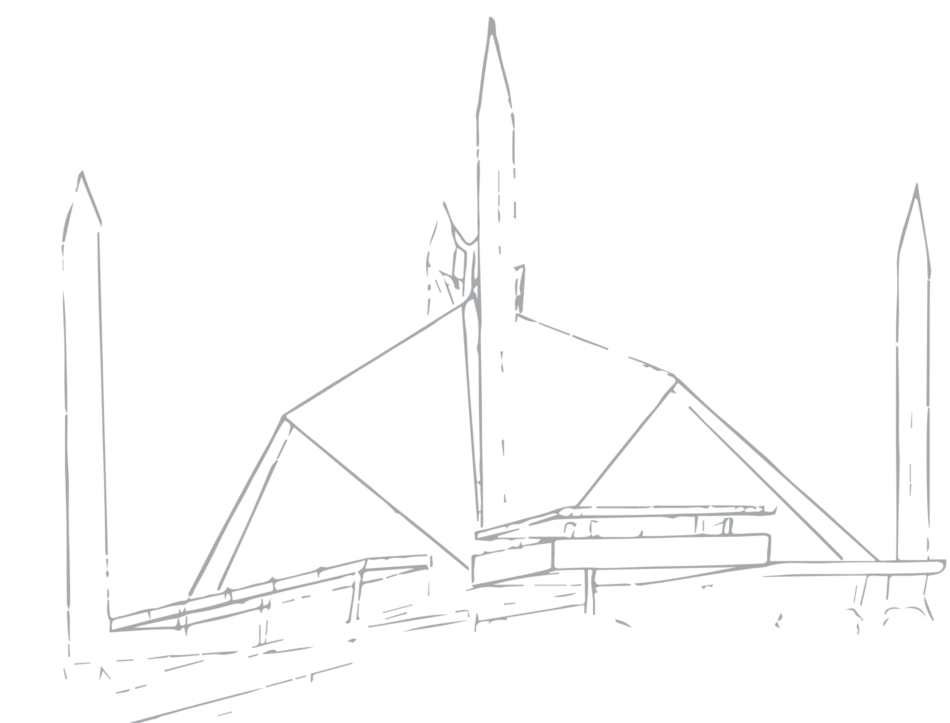

قوانین کو اسلامیانے میں وفاقی شرعی عدالت کا کردار: جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازھری ؒ کی کاوشوں کا جائزہ

نعیم الدین الازہری*

Abstract

Since 1940, when movement for an independent state got accelerated, the core objective of an Islamic state is to obtain a territory where Muslims could live in accordance with the ijunctions of Islam. Right after the creation of Pakistan, the efforts had begun bypassing "Objectives Resuotion" in 1949. Thereafter, all constitutions of 1956, 1962 and that of 1973 reflected this core objective by maintaining Islamic identity. For Islamizing laws in Pakistan, many institutions and figures have been contributing. One of such figures is Pir Karam Shah al-Azhari who had served as judge Federal Shariat Court in 1981 and then in Shariat Appellate Bench of Shpreme Court of Pakistan till his death. The present work is analytical study of the judgements he issued through his tenure. However, this needs to be preceeded by highlighting the role of 'Ulamā'.

تمہید

ملک عزیز پاکستان وہ جمہوری اور نظریاتی مملکت ہے جو اسلام کے نام پر معرض وجود میں آئی۔ پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد ریاست کا عدالتی نظام چلانے کے لئے تقسیم سے قبل یہاں نافذ انگریز ہی کے وضع کردہ مجموعہ قوانین کو چند ضروری ترامیم اور رد و بدل کے بعد اپنا لیا گیا۔ انگریز کے وضع کردہ یہ قوانین اسلامی قوانین اور شریعت کی روح سے متصادم اور منافی تھے۔ ۱۹۷۷ء میں جب نظام مصطفیٰ کے نام پر چلائی جانے والی تحریک کے نتیجہ میں مرحوم جنرل محمد ضیاء الحق بر سر اقتدار آئے تو انہوں نے ۱۹۷۹ء میں آئین میں ترمیم کے

* ڈپٹی ایچ او ڈی شعبہ عربی، دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ، سر گودھا۔

ذریعہ باب ۳ (الف) کا اضافہ کیا جو ۱۹۸۰ء میں ضروری ردو بدل کے بعد موجودہ شکل میں شامل کیا گیا۔ اس ترمیم کے نتیجہ میں وفاقی شرعی عدالت اور عدالت عظمیٰ کا Shariat Appellant Bench آئین کا حصہ بنا۔ اس آئینی ترمیم کی روسے وفاقی شرعی عدالت چیف جسٹس سمیت زیادہ سے زیادہ آٹھ مسلم ججوں پر مشتمل ہوسکتی ہے۔ جن میں سے زیادہ سے زیادہ تین جج علما ہو سکتے ہیں جو اسلامی قانون کا وافر علم رکھتے ہوں۔ وفاقی شرعی عدالت وسیع اختیارات کی حامل عدالت ہے جو ملک کے کسی قانون کو بذات خود یا کسی شہری کی درخواست پر اسلامی احکامات سے متصادم قرار دینے پر کالعدم، غیر مؤثر قرار دے کر اس کو ختم یا اس میں ترمیم کا حکم دے سکتی ہے۔

وفاقی شرعی عدالت اور شریعت اپیلنٹ بنچ کے قیام کا فیصلہ بہت بڑا قابل تحسین اقدام تھا اور اس کے دور رس اثرات مرتب ہوئے۔ اسلام کے سیاسی و قانونی نظام میں عدل گستری کو انتہائی اہمیت حاصل ہے۔ جس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو خلافت ارضی اور نیابت الٰہی کی ذمہ داری سونپنے کے فوراً بعد پہلا حکم یہ دیا گیا کہ لوگوں کے مابین حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں۔[1] اسی بناء پر بعض مفسرین کرام نے اس امر پر زور دیا کہ اسلامی نظام عدل کا قیام اسلامی ریاست کے اولین فرائض میں سے ہے۔ عدل و انصاف کے حوالہ سے ایک مسلمان کی یہ شان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی جانب سے متعین کئے گئے اصول و کلیات کے مطابق کئے گئے فیصلوں پر خوشی و اطمینان کا اظہار کرتا ہے۔[2] ایک اسلامی ریاست میں فیصلے عدل و انصاف پر مبنی ہونے چاہئیں۔[3] غیر اسلامی عدالتوں سے رجوع غیر مناسب ہے۔[4] اسلامی نظام عدل میں جھوٹے مقدمات دائر کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بذات خود کوئی عہدہ قضا

---

(1)۔ القرآن،۳۸: ۲۰۔

(2)۔ القرآن، ۲۴: ۵۱۔

(3)۔ القرآن، ۵: ۴۲،۴۸،۵۶۔

(4)۔ القرآن، ۴: ۶۱-۶۰۔

طلب نہیں کرنا چاہیے۔[5] جس شخص کو عہدہ قضا کو قبول کرنے پر مجبور کیا جائے تو اس کی تائید میں فرشتوں کا نزول ہوتا ہے۔[6]

وفاقی شرعی عدالت میں علماججز کا کردار

ابتدائی مراحل میں شریعت کورٹ کے اندر علما کے تقرر کو ضروری قرار نہیں دیا گیا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عدالتوں سے تعلق رکھنے والے جج صاحبان علمی دنیا میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے اور زیر بحث مقدمات پر جرح کے حوالے سے بھی حد درجہ ژرف نگاہی ان کا طرہ امتیاز تھی۔ لیکن اسلامی نظام عدالت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے فقہ ،اصول فقہ، حدیث ،اصول حدیث ، تفسیر قرآن اور اصول تفسیر اور بالخصوص لغت عربی سے واقفیت کے لئے علم بلاغت اور معانی کی جن اصطلاحات پر عبور ضروری ہے ان سے وہ لوگ کماحقہ آگاہ نہ تھے۔ اس کا فطری نتیجہ یہ نکلا کہ شریعت کورٹ کے بعض فیصلوں پر تنقید ہونے لگی، بالخصوص جب وفاقی شرعی عدالت نے اعلان کیا کہ زناکاری کے جرم کے لیے سزاے رجم شرعی حد نہیں تو دینی حلقوں میں خصوصی طور پر ہیجان پیدا ہوا۔

یہ شرف صرف اور صرف پیر محمد کرم شاہ الازھریؒ کو حاصل ہے کہ آپ نے ببانگ دہل شریعت کورٹ کے اس فیصلے پر تنقید فرمائی اور اپنے رسالہ ماہنامہ ضیائے حرم کے اداریہ کی متعدد اقساط میں اس موضوع پر کھل کر اظہار فرمایا۔ جنرل ضیاء الحق مرحوم فکری اعتبار سے دین دار تھے۔ انہوں نے اس تنقید کو انا کا مسئلہ بنانے کی بجائے اپنے صدارتی حکم پر نظرثانی کرتے ہوئے عدالت کے لیے علما ممبران کا وجود ضروری قرار دے دیا۔ چونکہ **ضیائے حرم** کے سر دلبراں میں وہ حضرت ضیاء الامت رحمۃاللہ تعالی علیہ کی علمی وسعتوں کا اندازہ کر چکے تھے اس لیے انہوں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ شریعت کورٹ کی ممبر شپ قبول فرمائیں۔

وفاقی شرعی عدالت اور شریعت اپیلنٹ بنچ میں گاہے بگاہے جن علما ججز کی تقرری ہوئی انھوں نے اپنی ذمہ داریاں کماحقہ نبھائیں۔ اور یہ ثابت کر دکھایا کہ علمائے کرام مدارس میں علوم اسلامیہ کی تدریس کے ساتھ ساتھ

---

(5)– امام ابوعیسی ترمذی،سنن الترمذی،أبواب الأحكام: باب ما جاء عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في القاضي.

(6)– ایضاً۔

اسلامی قوانین اور شرعی احکام پر گہری دسترس رکھتے ہیں۔ اور ملک عزیز پاکستان کی عدالتوں میں رائج انگریزی قوانین کو اسلامیانے میں ان کا کردار ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ ان علما ججز میں سے چند حضرات کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں :

جسٹس پیر محمد کرم شاہ ۱۹۸۱تا ۱۹۸۲(وفاقی شرعی عدالت) (۱۹۸۲تا۱۹۹۸شریعت اپیلنٹ بنچ سپریم کورٹ آف پاکستان)

جسٹس مفتی تقی عثمانی ۱۹۸۱تا ۱۹۸۲(وفاقی شرعی عدالت) (۱۹۸۲تا۲۰۰۲ شریعت اپیلنٹ بنچ سپریم کورٹ آف پاکستان)

جسٹس مولانا غلام علی 1981تا 1985(وفاقی شرعی عدالت)

جسٹس مولانا عبدالقدوس قاسمی ۱۹۸۳تا ۱۹۸۶(وفاقی شرعی عدالت)

جسٹس ڈاکٹر محمود احمد غازی ۲۰۱۰(وفاقی شرعی عدالت)

ضیاءالامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازھریؒ کی خدمات کا جائزہ

پیر محمد کرم شاہ الازھری نے جب رجم کے متعلق وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے پر کڑی تنقید کی اور اس کے نتیجے میں جنرل ضیاء الحق نے علمائے کرام کو بطور جج شرعی عدالت کا حصہ بنانے کا فیصلہ کیا اور آپ کو یہ عہدہ قبول کرنے کی پیشکش کی تو آپ نے وسیع تر مشاورت کے بعد یہ حکومتی پیش کش قبول کرتے ہوئے جون ۱۹۸۱ میں فیڈرل شریعت کورٹ میں خدمات کا آغاز فرمایا۔ جب آپ نے یہ ذمہ داری سنبھالی تو زمانے کے تقاضوں سے آگاہ سنجیدہ فکر حلقوں نے اس اقدام کی تحسین کی لیکن اس کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے احباب بھی تھے جنہوں نے آپ کی تقرری کے خلاف غیر شائستہ زبان استعمال کی اور پبلک جلسوں اور سیاسی میٹنگز میں ایسا طرز عمل اختیار کیا جسے پسندیدہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جب آپ سے فارغ التحصیل علما کے ایک اجلاس میں ایسے افراد کی طرز عمل کے بارے میں استفسار کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''اگر اس کو خودستائی پر محمول نہ کیا جائے تو میں یہ کہوں گا کہ اس کا فیصلہ

مستقبل کا مورخ کرے گا کہ ہم نے شریعت کورٹ میں ممبر شپ اختیار کر کے کیا کچھ کیا۔(7) ''اگرچہ میں تو نہیں ہوں گا لیکن مورخ یہ لکھنے پر مجبور ہو گا کہ جب بڑے بڑے جگادروں سیاستدان اور بڑے بڑے مذہبی راہنما بیرون ملک باغ باغ کر اپنے دائرہ اثر وسیع کرنے اور مزید بڑھانے میں مصروف تھے۔ اس وقت ایک درویش 'کرم شاہ' اکیلا اہلسنت کے حقوق کے تحفظ اور نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کے لئے کوشش کر رہا تھا۔ جب وفاقی شرعی عدالت کے قیام کا وقت آیا س تو اس نے اپنے مریدوں کو چھوڑ کر، جان سے پیارا دارالعلوم چھوڑا اور اپنے منصب سے فروتر عہدہ قبول کر کے کام کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ وہ بڑے بڑے ملحدوں اور دین کے دشمنوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کام کرتا رہا اور انھیں اس فقیر کے سامنے بات کرنے کی جرات نہیں ہوتی تھی۔''(8)

آپ نے ایک سال تین ماہ فیڈرل شریعت کورٹ میں کام کیا اس دوران ہفتہ میں پانچ دن کام ہوتا تھا اور دو دن چھٹی ہوتی تھی۔ جتنے دن کام ہوتا آپ اسلام آباد قیام فرما رہتے۔ چھٹی کے دوران آپ واپس بھیرہ شریف تشریف لاتے اور طلبہ کو اسباق پڑھاتے۔ ۷ اکتوبر ۱۹۸۲ کو آپ کی خدمات سپریم کورٹ آف پاکستان میں شریعت ایپلیٹ کے لئے وقف کرائی گئیں۔ سپریم کورٹ میں لگاتار کام نہیں ہوتا تھا بلکہ اپیلوں کی سماعت کے لئے بیچ وقفے وقفے سے کام کرتا تھا۔ اس لیے آپ کو تدریس کے لئے بھیرہ شریف میں بھی وقت میسر آجاتا اور عدالتی فرائض کی ذمہ داری سے بھی آپ باحسن وجوہ سرخرو ہو جاتے تھے۔

فاضل جسٹس پیر محمد کرم شاہ ؒ کے قلم سے لکھے گئے فیصلوں نے اسلامی قانون کی راہنمائی میں ملک کو اسلامی ریاست کے حقیقی خدوخال میں ڈھالنے کی سعی بلیغ کی ہے۔ نہ صرف عام فرد بلکہ بیوروکریٹس کو بھی جب انگریز کے بنائے ہوئے قانون سے انصاف نہ مل سکا تو وہ وفاقی شرعی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے شرعی قانون کے سائے میں جا کر ہی سکون کی دولت سے مالا مال ہوئے اور اپنا حق حاصل کیا۔ اس ضمن میں فاضل جسٹس ؒ کے قلم سے صادر شدہ فیصلے واضح اور بین دلیل ہیں۔(9) فاضل جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری ؒ کے ۱۹۸۱ء تا ۱۹۹۸ء تک کے PLD SC & FSC میں مطبوعہ فیصلوں کی تعداد ۸۰ کے قریب بنتی ہے جن میں سے قذف، لعان، شراب نوشی، زناء، ڈکیتی، سرقہ، رجم، موشن پکچرز آرڈیننس، موٹر وہیکل رولز، اغواء، طلاق، شفعہ، عدت،

---

(7)۔ حافظ احمد بخش، **جمال کرم** (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۱۱)، ۲: ۷۰۴-۷۰۵۔

(8)۔ ایضاً، ۲: ۷۰۶۔

(9)۔ قاضی عبدالقدیر قذافی، ''پیر محمد کرم شاہ بحیثیت منصف''، **ماہنامہ ضیائے حرم**، ۴: ۴۲ (۲۰۱۲) ص ۳۰۔

اعانت، Death gratuity، ضمانت وراثت، حقوق آسائش کا تعین، قابل ارث مال، قصاص ودیت، سرکاری ملازمین کی ترقی و تنزلی، مزارعین کے حقوق، نسب، ثبوت نسب، شخصی ملکیت کی سرکاری تحویل، ٹیکس و زکوۃ ٹیکس کی کٹوتی، تماثیل و تصاویر کی شرعی حیثیت جیسے اہم فیصلوں نے عدلیہ کی تاریخ میں اہم باب کا اضافہ کیا ہے۔

فاضل جسٹسؒ کے جملہ مطبوعہ فیصلہ جات دورکنی تالیف وہشت رکنی بنچ کی صورت میں صادر کئے گئے۔ ان میں سے بعض تو آپ کے قلمی ہیں۔ بعض اختلافی نوٹس پر مشتمل ہیں اور بعض کے ساتھ آپ نے صرف اتفاق کرتے ہوئے دستخط کئے ہیں۔

فاضل ججز صاحبان کے تاثرات

فاضل جسٹسؒ نے غیر معمولی شخصیت و قابلیت کے حاملین جسٹس صاحبان کے ہمراہ کام کیا ہے جو ملکی، بین الاقوامی اور اسلامی قانون میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ جن میں سے جسٹس مولانا تقی عثمانی، جسٹس مولانا غلام علی ملک، جسٹس مولانا مفتی شجاعت قادری، جسٹس آفتاب حسین، جسٹس کریم اللہ درانی، جسٹس چوہدری محمد صدیق، جسٹس محمد ظہور الحق، جسٹس علی حسین قزلباش، جسٹس محمد افضل ظلہ، جسٹس نسم حسن شاہ، جسٹس شفیع الرحمن، جسٹس ایم ایس قریشی، جسٹس میاں برہان الدین، جسٹس نعیم الدین، جسٹس اجمل میاں، جسٹس عبدالقدیر چوہدری، جسٹس شجاعت علی پاشا، جسٹس سعید الزمان، جسٹس رفیق تارڑ اور جسٹس ولی اللہ خان کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں۔ آپ کے ساتھ کام کرنے والے جملہ جج صاحبان کے تاثرات یہی تھے کہ آپ نے ایک منجھے ہوئے پختہ کار قاضی کی طرح اسلاف کی یادیں تازہ کر دیں اور پاکستانی عدلیہ کی تاریخ میں اسلامی اقدار کے احیاء کے لئے فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ یہاں میں آپ کی عدالتی خدمات کے متعلق چند فاضل جج صاحبان کی آراء قلمبند کرتا ہوں۔

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی: پیر صاحب کے وصال پر ملال کے موقع پر جسٹس محمد تقی عثمانی نے تعزیتی خط میں اپنے تاثرات کا اظہار کچھ یوں کیا: ''وفاقی شرعی عدالت میں بطور جج نامزدگی کے بعد تقریباً دس سال تک احقر کو وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ میں ان کی رفاقت کی سعادت حاصل رہی۔ اللہ تعالی نے بڑی خوبیوں اور ملکات سے نوازا، ملک و ملت کی اصلاح و فکر، شریعت اسلامیہ کی حقانیت اور ہمہ گیری پر ان کا غیر متزلزل اعتقاد، امت مسلمہ کے رجوع الی الدین کے لئے ان کی تڑپ

ان کے واضح اوصاف ہیں اور ان سب باتوں کے ساتھ جس چیز نے احقر کو بطور خاص متاثر کیا وہ ان کا یہ وصف ہے کہ وہ جس نقطہ نظر کو حق سمجھتے ہیں اسے بلا خوف لومۃ لائم وضاحت کے ساتھ پورے اعتماد سے بیان کرنے کا ملکہ رکھتے ہیں۔''[10]

جسٹس مولانا غلام علی: ''عدالت میں پیر صاحب کا دورہ اسلامی عدل و انصاف کے عین مطابق رہتا تھا۔ مسئلہ رجم کے سابق فیصلے پر نظر ثانی کرتے ہوئے انھوں نے مبسوط فیصلہ رقم فرمایا اور میرے تحریر کردہ چھ صفحات کی بھی تحسین فرمائی۔ موشن پیکچر آرڈیننس کا جائزہ لیتے وقت اکثریت کے فیصلے سے بعض اجزاء میں اختلاف فرمایا جیسا کہ راقم نے بھی کیا۔''[11]

جسٹس سعید الزمان صدیقی: ''جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازھری کی ماہرانہ رائے اور قرآن وسنت کی روشنی میں آپ کے دیئے گئے فیصلے عدالتی تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔ آپ نے پاکستان میں اسلامی نظام کی راہ ہموار کرنے کے لئے کئی ایک وقیع اور مدلل فیصلے تحریر فرمائے۔ جن میں حق شفعہ، سود، رجم، پرائز بانڈ کی شرعی حیثیت اور شناختی کارڈ پر تصویر لگانا بطور خاص قابل ذکر ہے۔ آپ کی ہمہ جہت شخصیت پاکستان کے لئے سرمایہ افتخار ہے۔ آپ کی خدمات کو کبھی بھی فراموش نہیں کیا جاسکے گا۔''[12]

جسٹس ریٹائرڈ محمد الیاس: ''قبلہ پیر صاحب کو ان کے تبحر علمی، اصول فقہ، اور علوم دینیہ پر عبور کے پیش نظر شرعی عدالت پاکستان کا جج مقرر کیا گیا۔ اور پھر سپریم کورٹ آف پاکستان کے شریعت اپیلنٹ بنچ کا جج بھی تعینات کیا گیا۔ ان کے کئی فیصلے پڑھے جو نہایت مدلل اور پر مغز اور اصابت رائے کے حامل تھے۔ کچھ عرصہ بعد جب ان کو عدالت سے فارغ کیا گیا تو جلد ہی ان کے متعلقہ حلقے ان کی کمی محسوس کرنے لگے۔ بالآخر قبلہ پیر صاحب کو پھر انھیں مناصب پر فائز کر دیا گیا۔ ان کا نعم البدل ملنا اس دور میں محال ہے۔''[13]

جسٹس سید نسیم حسن شاہ: ''پیر محمد کرم شاہ الازھری ایسے سکالر تھے۔ جو اصل اسلامی روایات اور عصری تقاضوں سے پوری طرح آگاہ تھے۔ آئین کو اسلامی دفعات میں ڈھالنے اور غیر اسلامی دفعات کو ختم کرنے کے بارے میں ان کی علمی صلاحیتیں اور خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ قصاص و دیت حق شفعہ سمیت دیگر معاملات میں آپ نے راہنما فیصلے کیے۔ آپ عالم اسلام کا عظیم سرمایہ تھے۔''[14]

جسٹس پیر محمد کرم شاہ ۱۹۸۱ سے ۱۹۹۸ یعنی ظاہری زندگی کے آخری دنوں تک فیڈرل شریعت کورٹ اور سپریم کورٹ آف پاکستان سے منسلک رہے۔ حکومت وقت کی طرف سے اس سارے عرصے میں آپ کو قانونی

---

(10)۔ جسٹس محمد تقی عثمانی، **مکتوب** ،۵ شوال ۱۴۱۲ھ فائل مرکزی دفتر دالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ سرگودھا۔

(11)۔ جسٹس مولانا غلام علی، **مکتوب**، ۲۴ فروری ۱۹۹۲، فائل مرکزی دار العلوم بھیرہ، سرگودھا۔

(12)۔ جسٹس سعید الزمان صدیقی، **مکتوب**، ۱۹۹۲۔

(13)۔ جسٹس ریٹائرڈ محمد الیاس، ''مکتوب''، مشمولہ: حافظ احمد بخش، **جمال کرم**، ص ۷۰۹۔

(14)۔ چیف جسٹس سید نسیم حسن شاہ، ''مکتوب''، مشمولہ: حافظ احمد بخش، **جمال کرم**، ص ۷۱۰۔

لحاظ سے وہ ساری مراعات حاصل کرنے کی گنجائش حاصل تھی۔ جو ایک عدالت عالیہ کے جج کے لئے میسر ہوتی تھیں۔ لیکن آپ نے باقاعدہ تنخواہ وصول نہیں کی۔ ابتدا میں عدالت کی طرف سے مکان بھی استعمال فرماتے رہے۔ بعد ازاں آپ نے اپنی رہائش اپنے ادارہ دارالعلوم محمدیہ غوثیہ چک شہزاد اسلام آباد منتقل کر دی۔ البتہ پولیس کا حفاظتی دستہ یہ کہہ کر آپ نے واپس کر دیا کہ ہم درویش لوگ ہیں ہمارا حافظ و مددگار اللہ تعالیٰ ہے۔ ہمارے لئے پہرہ داروں والا تکلف قابل قبول نہیں۔

عدالتی خدمات کے دوران فیڈرل شریعت کورٹ آف پاکستان سپریم کورٹ آف پاکستان ہر دو اداروں میں آپ کو بنیادی طور پر دو نوعیتوں کے کام سے واسطہ پڑا:

اَ۔ حدود آرڈیننس کے تحت ہونے والے مقدمات کے فیصلے؛

ب۔ مختلف آئینی دفعات کی توضیح و تشریح اور ان کے اسلام سے ہم آہنگ یا متصادم ہونے کے بارے میں حتمی رائے

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری کے اہم عدالتی فیصلوں کی تلخیص

ان ابتدائی وضاحتوں کے بعد انتہائی اختصار سے ان چند فیصلہ جات کی تلخیص پیش خدمت ہے جو آپ کے قلم حقائق رقم سے نکلے:

ہم یہاں ان فیصلوں کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں جن کا تعلق آئین کی مختلف دفعات کی تشریح سے ہے۔ خواہ عدالت نے ازخود ان کے بارے میں کاروائی کی یا کسی کی توجہ دلانے سے عدالت نے ان کے بارے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ وہ فیصلے جن کا تعلق حدود آرڈینیس کے تحت آنے والے مقدمات سے ہے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں تجزیہ اور بحث کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتا۔ اس لیے کہ وہ زیادہ تر حدود سے متعلق ہیں اور ان میں تنقیحات اور وکلاء کی بحثوں کا تعلق مختلف جرائم سے ہے جن کا بغیر ضرورت اعادہ مناسب نہیں۔

آئینی دفعات کی تشریح سے متعلق فیصلہ جات

ا- رجم شرعی حد ہے (فیصلہ کی تلخیص)

جنرل محمد ضیاء الحق کی مارشل لا حکومت کی طرف سے جاری کردہ آرڈیننس میں رجم کو شرعی حد قرار دیا گیا۔ آرڈیننس کی اس دفعہ کے خلاف حضور بخش وغیرہ نے شریعت کورٹ میں پٹیشن دائر کی۔ شریعت کورٹ کے جج صاحبان نے متفقہ طور پر فیصلہ دیا کہ رجم شرعی حد نہیں۔ البتہ جسٹس آفتاب حسین نے اپنے فیصلے میں لکھا بے شک رجم شرعی حد تو نہیں لیکن حکومت اگر اسے بطور تعزیر نافذ کرے تو اسے اختیار ہے۔ حکومت نے اس فیصلے کے خلاف نظر ثانی کی اپیل کی۔ اس اہم ترین مقدمے کی سماعت کے لیے پانچ رکنی بینچ ترتیب دیا گیا۔ حضرت ضیاءالامت رحمۃاللہ تعالی علیہ اس بینچ کے ممبر تھے۔ مقدمہ کی سماعت کے بعد آپ نے فیصلہ تحریر فرمایا ابتدائی صفحات میں اپنے زیر بحث مقدمہ کا ریفرنس پیش فرمایا۔ بعد ازاں چند بنیادی امور پر تفصیل سے بحث فرمائی جن میں یہ عنوانات شامل ہیں:

1. سنت نبوی کی تشریحی اور تشریعی حیثیت
2. قرآن اور سنت نبوی کا باہمی ربط کیا ہے
3. نسخ اور تخصیص دونوں ایک چیز ہیں یا الگ الگ

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ بنیادی طور پر یہی وہ امور تھے جن کا صحیح ادراک نہ ہونے کے سبب شریعت کورٹ کے جج صاحبان زیر بحث مسئلہ کی تہ تک نہ پہنچ سکے تھے۔ ان تینوں مباحث کو نہایت موثر اور مدلل انداز میں بیان کرنے کے بعد آپ نے ان الفاظ کی لغوی اور اصطلاحی تحقیق پیش فرمائی۔ جس کے معانی کے یقین میں فاضل جج صاحبان کماحقہ عہدہ برا نہیں ہو سکے تھے۔ ان میں سے لفظ (محصن) زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ آپ نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ لفظ مشترک ہے، اس کا مفہوم وہی قابل قبول ہوگا جسے آیات مذکورہ میں شارع نے متعین فرمایا ہے۔ لفظ محصن کی تحقیق میں آپ نے ان دلائل کا ناقدانہ تجزیہ کیا ہے جو ان وکلا کی طرف سے پیش کیے گئے۔ جو رجم کی حد کو نہیں مانتے یا فاضل جج صاحبان نے انہیں اپنے فیصلہ جات میں بطور استدلال قبول کیا تھا۔ آپ نے اس تجزیہ میں کمال حکمت عملی کا مظاہرہ فرمایا۔ اپنے ہم منصب جج

صاحبان کے مقام و مرتبہ کا بھی پورا پورا خیال رکھا اور دلائل میں ایسا دلآویز اسلوب اختیار فرمایا کہ بالآخر رجم کے مخالفین بھی اسلام کے آفاقی ضوابط کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

مختلف دلائل کا جائزہ لینے کے دوران اپنے ان تمام احادیث کا بھی تاریخی تجزیہ پیش فرمایا اور جرح و تعدیل کے معیار پر انہیں پرکھا جو رجم کو بطور حد ثابت کرنے کے لئے استدلال کی بنیاد ہیں۔ چونکہ آقا علیہ الصلاۃ والسلام کے عہد زریں اور خلفاے راشدین کے دور میں صرف اقرار کی بنیاد پر ہی حد نافذ کی گئی تھی۔اس حوالے سے بعض ناقدین نے ''حضرت ماعز اور غامدیہ'' کے کردار پر بحث کے دوران ان جلیل القدر ہستیوں کے بارے منفی خیالات کا اظہار کیا۔ ایسے افراد کا مواخذہ کرتے ہوئے ان جملہ نیک طینت، پاک باز افراد کا کردار بھی پیش فرمایا جن سے اگر غلطی ہو گئی تو انہوں نے جرات ایمانی اور خشیت الہی کا اظہار کرتے ہوئے اس دنیاوی زندگی میں اپنے آپ کو پاک کرنے کے لیے پیش کر دیا ان جملہ پہلوؤں پر تفصیلی بحث کرنے کے بعد آپ نے فرمایا:

> مسئلہ رجم کے جملہ پہلوؤں پر پوری طرح غور و حوض کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ عقوبات اسلامیہ میں رجم ایک ایسی سزا ہے جو شریعت اسلامیہ میں شادی شدہ زانی اور شادی شدہ زانیہ کے لئے مقرر ہے۔کسی حکومت کو اس میں ردوبدل کا کوئی اختیار نہیں۔یہ اسلامی حد ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث متواترہ سے ثابت ہے اس لئے نفاذ حدود آرڈیننس ۱۹۷۹ کی دفعہ (۲) ۵ اور (۲)۶ میں رجم کی سزا جو بطور حد دی گئی ہے وہ درست ہے۔اس لئے میں نظر ثانی کی اپیل کو منظور کرتا ہوں اور وفاقی شرعی عدالت کے جس حکم کے خلاف یہ نظر ثانی کی گئی ہے اس کو کالعدم قرار دیتا ہوں۔ اختتام سے پہلے میں ان فاضل وکلا اور علماے کرام کا شکر یہ ادا کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتا ہوں جنہوں نے اپنے فاضلانہ بیانات سے مسئلہ کو صحیح سمجھنے میں عدالت کی مدد کی۔(15)

۲- جائیداد سے ملکیت کے حق کا خاتمہ (مقبول احمد قریشی بنام حکومت پاکستان، شریعت اپیل نمبر ۸۹۔۱۰)

مقبول احمد قریشی نے وفاقی شرعی عدالت میں اپیل دائر کی کہ لمیٹیشن ایکٹ ۱۹۰۸ کے دفعہ ۲۸ آرٹیکل نمبر ۱۴۴ فرسٹ شیڈول شریعت اسلامی کے خلاف ہے۔ وفاقی شرعی عدالت نے جناب قریشی صاحب کے موقف کو درست تسلیم نہ کرتے ہوئے درخواست خارج کر دی۔شریعت کورٹ کے فیصلہ کے خلاف درخواست گزار نے سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی۔ جسٹس پیر محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے مقدمہ متذکرہ کا جائزہ لیا اور تمام

(15) – PLD, 1986, SC 360.

دلائل کا تجزیہ کیا جن کی بنا پر درخواست خارج کی گئی تھی۔ آپ نے وفاقی شرعی عدالت کے موقف کی تائید سے معذرت کرتے ہوئے فقہی اصطلاح (تقادم)، جس کی بنا پر وفاقی شرعی عدالت نے درخواست خارج کی تھی، پر سیر حاصل بحث کی اور لکھا کہ تقادم یعنی عرصہ طویل کا گزر جانا حق ملکیت کو ختم کرنے کا سبب نہیں بن سکتا۔ آپ نے (تقادم) کی دو اقسام کا ذکر فرمایا:

i. تقادم فی حدود اللہ
ii. اور تقادم فی حقوق العباد

جہاں تک تقادم فی حدود اللہ کا تعلق ہے بے شک اس باب میں طویل مدت کا گزر جانا اور مدعی کا بروقت عدالت سے رجوع نہ کرنا دعوی کی بطلان کا سبب بن سکتا ہے لیکن تقادم فی حقوق العباد میں ایسا نہیں۔ اپنے اس موقف کی تائید کے لیے آپ نے فقہ اسلامی کی قدیم اور جدید کتب کے حوالہ جات نقل فرمائے۔ بعد ازاں آپ نے ان کو روایات پر جرح فرمائی اور واضح فرمایا کہ وہ روایات جن سے وفاقی شرعی عدالت کے فاضل جج صاحبان نے استدلال کیا ہے وہ ان روایات کے ہم پایہ نہیں ہو سکتیں جو میں نے اپنے فیصلے میں ذکر کی ہیں۔

اپنے دلائل کو سمیٹتے ہوئے آپ نے فیصلے کی آخر میں لکھا:

> ان دلائل کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ قبضہ مخالفانہ خواہ کتنی طویل مدت تک برقرار رہے وہ حقیقی مالک کے حق کے ملکیت کو ختم نہیں کر سکتا اور نہ غاصب کو اس کا مالک بنا سکتا ہے۔ اس لئے زیر بحث دفعہ ۲۸ لمیٹیشن ایکٹ بمعہ آرٹیکل نمبر ۱۴۴ کتاب و سنت کے خلاف ہے۔ ہم قانون ساز ادارہ کو حکم دیتے ہیں کہ وہ ۳۱ اگست ۱۹۹۱ تک اس دفعہ میں تقاضاے شریعت کے مطابق مناسب ترمیم کرے ورنہ یہ دفعہ اس تاریخ کو کالعدم ہو جائے گی۔[16]

۳۔ انعامی بانڈز سکیم (شیخ مشتاق علی بنام حکومت پاکستان)

شیخ مشتاق علی ایڈوکیٹ نے فیڈرل شریعت کورٹ میں رٹ دائر کی جس میں پی سی سی کی دفعہ ۲۹۴ اے کو چیلنج کیا گیا تھا فاضل عدالت نے درخواست پر فیصلہ دیتے ہوئے نہ صرف یہ کہ ۲۹۴ اے کو خلاف اسلام قرار نہیں دیا بلکہ عدالت کے اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے ۲۹۴ بی کو زیر بحث لا کر حکومت کی طرف سے جاری

(16)۔ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری، **ضیاء الامت کے عدالتی فیصلے** (لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز)، ص ۱-۱۳۔

کردہ انعامی بانڈز سکیم کو خلاف اسلام قرار دیا۔ جسٹس پیر محمد کرم شاہ نے فاضل جج جناب جسٹس شفیع الرحمن کے فیصلہ سے اس نقطہ نظر پر اختلاف کیا کہ انعامی بانڈز سکیم شرعی لحاظ سے مباح ہے چونکہ شرعی عدالت نے اسے قمار قرار دیتے ہوئے خلاف اسلام قرار دیا ہے اس بنا پر اپنے کتب فقہ سے قمار کی تعریف پر بالتفصیل روشنی ڈالنے کے بعد واضح کیا کہ انعامی بانڈز سکیم قمار کے زمرہ میں نہیں آتی۔ حکومت وقت یا کسی دوسرے ادارہ کی جانب سے قرعہ اندازی کی بنا پر ملنے والی رقم کو انعام سے تعبیر کیا اور اسے ''جُعل'' پر قیاس کرتے ہوئے جائز قرار دیا۔ چونکہ فیصلہ میں وہی مباحث تصفیہ طلب تھے جن کا مقدمہ کی تنقیحات میں ذکر تھا۔ آپ نے انہی امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ فیصلہ تحریر فرمایا:

> میں یہاں یہ وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ حکومت وقت کی طرف سے اگر ایسی انعامی بانڈز سکیم متعارف کرائی جائے جس میں سود کی آمیزش ہو اور انعام نہ پانے والوں کو ان کی رقوم بمعہ سود واپس کی جائیں تو یہ صورت اسلام میں جائز نہ ہو گی۔(17)

۴- شفعہ کی شرعی حیثیت (صوبہ سرحد بنام سید کمال شاہ)

ہمارے ملک میں یہ طریقہ کار عام تھا کہ جب کوئی آدمی جائیداد خریدتا اس وقت کوئی بھی کھاتے دار ہمسایہ یا رشتے دار رابطہ نہ کرتا اور جب پورا سال گزرنے میں ایک یا دو دن باقی ہوتے عدالت میں شفعہ کروایا جاتا اور زر پنجم جمع کروا کر مقدمہ کو غیر معینہ مدت تک ملتوی کروا دیا جاتا۔ جب چند سال گذرنے کے بعد جائیداد کی قیمت میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا اس وقت شفعہ کا فیصلہ کروا کر جائیداد حاصل کر لی جاتی اور بیچارا خریدار اپنے نصیبوں پر ماتم کر کے رہ جاتا۔ یہ خرابی تو تھی ہی اس پر مستزاد یہ کہ ذوالفقار علی بھٹو صاحب کے دور میں مزارع کو شفعہ کا حق دے کر اس خرابی کے لئے ایک اور دروازہ کھول دیا گیا۔ شفعہ ایکٹ کی دفعات کے جائزہ کے لیے فیڈرل شریعت کورٹ میں مقدمہ دائر ہوا جس میں تفصیلی بحث کے بعد فاضل جج صاحبان نے مزارع کو اسلامی نقطہ نظر سے شفعہ کا مستحق قرار دے دیا۔ اس فیصلے کے خلاف نظر ثانی کی اپیل دائر ہوئی جس کے نتیجہ میں جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ مشہور فیصلہ تحریر فرمایا۔

---

(17)- ایضاً، ص ۸۸۔

اس فیصلہ میں آپ نے سب سے پہلے شفعہ کی اسلامی اصطلاح پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ پھر عرب کے جاہل معاشرہ اور اس دور کے دیگر معاشروں میں شفعہ کی صورتحال پر سیر حاصل بحث کی۔ ان ابتدائی معلومات کے بعد آپ نے واضح فرمایا کہ اسلام میں صرف تین آدمی شفعہ کے حقدار ہیں:

i. غیر تقسیم شدہ کھاتے میں حصہ دار

ii. ذرائع آبپاشی یا راستہ میں حصہ دار

iii. جس کے مکان کی پشت فروخت ہونے والے مکان کی پشت سے ملی ہوئی ہوں خواہ دونوں کے راستے جدا جدا ہوں۔

اس کے بعد آپ نے شفعہ کی بنیادی شرائط کا ذکر فرماتے ہوئے شفعہ کے مختلف مراحل پر مفصل بحث فرمائی اور ساتھ ہی اس بات کی وضاحت کی کہ شفعہ کا حق صرف ان مستحقین ہی کو ہے جنہیں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں اجازت دی گئی ہے۔ نہ خود ان مستحققین کا تعین قیاس سے ہوا ہے اور نہ ان پر قیاس کر کے کسی نئے حقدار کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ اس ضمن میں مزارع کے حق شفعہ کی آپ نے مخالفت فرمائی اور واضح کیا کہ مزارع کو محض مزارعت کی بنیاد پر شفعہ کا مستحق قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس بحث کے دوران آپ نے مزارعت کی شرعی حیثیت پر بھی روشنی ڈالی اور واضح فرمایا کہ مزارعت اسلام میں جائز ہے۔ اس کی چند مخصوص صورتیں ممنوع ہیں۔ انہیں بنیاد بنا کر مزارعت کو مکمل طور پر اسلام کے خلاف کہنا درست نہیں۔ حضرت ضیاء الامت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مبسوط فیصلہ کا اختتام ان الفاظ میں فرمایا:

میں اس تفصیلی بحث کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ شفعہ کے تین مستحقین کا ثبوت سنت نبوی سے ہوا ہے نہ کہ قیاس سے۔ اس لئے حکومت کو سنت نبوی کے خلاف مزید کسی شخص کو شفعہ کا حق دینے کا کوئی اختیار نہیں۔ لہذا میں مذکورہ ریگولیشن کی دفعہ نمبر ۱۵ کو سنت نبوی کے خلاف سمجھتا ہوں اور اس کو کالعدم قرار دینے کا فیصلہ صادر کرتا ہوں۔ آخر میں یہ سوال غور طلب ہے کہ کیا حکومت کو بعض زمینوں اور بعض مکانوں کو شفعہ سے مستثنیٰ قرار دینے کا حق ہے یا نہیں؟ اس بارے میں گزارش ہے کہ جنہیں زمینوں اور مکانوں پر شفعہ کرنے کی شارع علیہ السلام نے اجازت دی ہے ان کو حکومت مستثنیٰ نہیں کر سکتی اس لئے دکان، سرائے، کٹرہ جب وہ ذاتی ملکیت میں ہوں ان پر دوسری غیر منقولہ جائیداد کی طرح شفعہ ہو سکتا ہے۔ البتہ شفعہ کے لئے ضروری ہے کہ جس جائیداد پر شفعہ ہو رہا ہے وہ کسی کی ذاتی ملکیت ہو۔ اگر وہ وقف ہو اس پر شفعہ نہیں ہو سکتا۔ اس طرح وہ رقبے جو حکومت نے اپنے قبضے میں رکھے ہوئے ہیں انہیں حکومت مزارعت یا رہائش کے لئے تو دے سکتی ہے لیکن فروخت نہیں کر سکتی اور اگر بامر مجبوری فروخت کرے تو ان پر شفعہ نہیں ہو سکتا اس لئے دوکان، کٹرہ اور

سرائے اگر وہ کسی کی ذاتی ملکیت ہوں تو ان پر شفعہ ہو سکتا ہے۔ جیسے پہلے بیان ہو چکا ہے۔ لیکن مسجد وغیرہ دیگر عبادت گاہیں جو اوقاف ہیں، نہ وہ قابل فروخت ہیں کہ ان پر شفعہ کیا جا سکے اور نہ ان کی بنا پر ان کے پڑوس میں کوئی جگہ فروخت ہو تو اس جگہ پر شفعہ کیا جا سکتا ہے۔ فتاوی عالمگیری اور دیگر کتب فقہ میں ان مسائل کو بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

حقداران شفعہ کے تعین کے لئے پانچ جسٹس صاحبان کا بنچ تشکیل دیا گیا جن میں فاضل جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ، جسٹس تقی عثمانی، جسٹس شفیع عثمانی، جسٹس ایس ایم قریشی اور چیئر مین بنچ جسٹس افضل ظلہ شامل تھے۔ فاضل جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ اور جسٹس تقی عثمانی ہر دو نے اپنے فیصلہ جات تحریر کئے اور تین اشخاص کو شفعہ کا حقدار قرار دیا جن میں شریک "نفس مبیع" حق مبیع" اور "جار ملاصق" شامل ہیں۔ جب کہ فاضل جسٹس شفیع الرحمن اور فاضل جسٹس ایم ایس قریشی ہر دو نے اپنے فیصلوں میں مزارعین کو بھی حقدارانِ شفعہ میں شمار کیا ہے۔ فاضل جسٹس افضل ظلہ صاحب نے ہر دو موقف کے حامل فیصلوں کا مطالعہ کیا اور فاضل جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ کے لکھے ہوئے فیصلہ کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

> I am with respect unable to agree with the reasoning of my learned brothers shafi Ur Rahman and M.S.H Qureshi except that I agree that the Fedral Shariat Court had the jurisdication to examine the question raised before it. On the other had I agree with the proposition laid down on the law of pre-emption in the leading judgment of my learned brother Pir Muhammad Karam Shah.[18]

میں انتہائی عزت کے ساتھ فاضل برادر جسٹس شفیع الرحمٰن اور ایم ایس ایچ قریشی کی بیان کردہ وجوہات سے اتفاق کرنے سے قاصر ہوں ماسوائے اس امر کے کہ میں اتفاق کرتا ہوں کہ وفاقی شریعت کورٹ کو ان سوالات کا جائزہ لینے کا اختیار سماعت حاصل ہے جو سوالات اس کے سامنے اٹھائے گئے ہوں جب کہ دوسری طرف میں ان تمام proposition جو قانون شفعہ کے حوالہ سے میرے فاضل برادر پیر محمد کرم شاہ کے راہنما فیصلہ میں بیان کی گئیں ہیں، سے کلی طور پر اتفاق کرتا ہوں۔

۵- سول ملازمین کے لئے ملازمت کا تحفظ (حکومت بنام عوام پاکستان)

حکومت پاکستان نے ۱۹۷۳ میں سول ملازمین کی سروس کے سلسلہ میں ایک ضابطہ نافذ کیا جس کی روشنی میں کسی بھی ملازم کو بغیر وجہ بتائے جبری طور پر ریٹائر کیا جا سکتا تھا۔ فیڈرل شریعت کورٹ نے اس ایکٹ کی سول

(18) – PLD 1986, SC 360.

ملازمین کی ملازمت کے خاتمہ سے متعلق دفعہ کو اسلامی تعلیمات کے متصادم قرار نہ دے کر اسے تحفظ دے دیا۔ حضرت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازھری نے اس سے اختلاف کیا اور بڑا مدلل فیصلہ رقم فرمایا۔ اس فیصلہ کی ابتدائی سطور میں آپ نے اسلامی نظام حکومت کی نفسیات کا ذکر فرمایا۔ پھر حاکم وقت کے اختیارات پر روشنی ڈالی۔ بعد ازاں احکامات کے ثبوت کے لئے استدلال کی مختلف طریقوں پر بحث فرمائی، بالخصوص اصول فقہ کی اصطلاحات ''عبارة النص، إشارة النص، دلالة النص''، اور ''اقتضاء النص'' کا مفہوم واضح کرتے ہوئے احکامات کے ثبوت میں ان کی اہمیت واضح فرمائی۔

ان بنیادی امور پر بحث کے بعد آپ نے حکومت اور ملازمین کے باہمی تعلق سروس اختیار کرتے وقت حکومت کے ساتھ ملازمین کے معاہدے اور حکومتی تحفظات کا ذکر فرمایا۔ آپ نے لکھا کہ بے شک ملازمین سے کوتاہیاں ممکن ہیں، انہیں غلطیوں سے منزہ قرار نہیں دیا جاسکتا لیکن اسلام اس بات کی قطعی اجازت نہیں دیتا کہ بغیر وجہ بتائے کسی کو معزول کر دیا جائے۔

اس سلسلہ میں آپ نے ان تمام واقعات کا تجزیہ فرمایا جو شریعت کورٹ کے جج صاحبان نے اپنے فیصلے کی بنیاد کے طور پر ذکر فرمائی تھیں۔ ان میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ، حضرت سعد رضی اللہ تعالی عنہ کی معزولی کے واقعات بطور خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ آپ نے رقم فرمایا کہ اسلامی تاریخ میں عزل و نصب کے جملہ واقعات کے پس منظر میں اسباب موجود ہیں اور کسی بھی کارروائی سے پہلے اہل اسلام کے سربراہان متعلقہ افراد کے علم میں ان اسباب کو لا کر ہی اپنا حق استعمال کرتے رہے ہیں۔ آخر میں آپ نے لکھا:

> ان دلائل کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں سول سرونٹس ایکٹ ۱۹۷۳ کی دفعہ نمبر ۱۲ کی شق نمبر ۱ اور نمبر ۲ شریعت اسلامیہ کے خلاف ہیں۔ اس لئے ان کو کالعدم قرار دیا جاتا ہے اور اس سے متعلق ساری اپیل خارج کی جاتی ہیں۔ نیز سرکاری اور نیم سرکاری اداروں کے ملازمین کے درمیان تفریق کو بھی قرآن وسنت سے متصادم سمجھتے ہوئے اس کو بھی کالعدم قرار دیا جاتا ہے اور اپیل نمبر ۸۴/ ۱۴ کو منظور کیا جاتا ہے اور اس سلسلہ میں برادر گرامی جناب جسٹس محمد افضل ظلہ (چیئرمین) اور جناب شفیع الرحمن کے فیصلے سے مجھے کلیتاً اتفاق ہے۔

جبری ریٹائرمنٹ کے خلاف شرع ہونے کے متعلق آپ کے اس فیصلے کے جو دوررس اثرات ہوئے اس کے متعلق کراچی کے ماہنامہ (ساحل) کے ایڈیٹر لکھتے ہیں:

ریاست بنام عوام نامی مقدمے میں پیر صاحب نے قرآن وسنت سے ثابت کیا کہ کسی شخص کو اظہار وجوہ کا نوٹس دیئے بغیر ملازمت سے برطرف نہیں کیا جا سکتا۔ اس موقف کے استدلال میں انہوں نے قرآن کریم سے جو آیات پیش کیں اس سے قرآن پر ان کی گہری نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی مقدمے میں جسٹس تقی عثمانی صاحب نے اپنے اختلافی فیصلے میں پیر محمد کرم شاہ کے موقف سے اختلاف کیا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ آجر اور اجیر معاہدے کے تحت کام کرتے ہیں اور آجر کو معاہدہ منسوخ کرنے کا حق حاصل ہے۔ اس میں کوئی شرعی عمل مانع نہیں۔ عدالت عظمیٰ نے اکثریتی فیصلے کے ذریعے پیر صاحب کے فیصلے کو برقرار رکھا اس فیصلے کے نتیجے میں ہزاروں لوگوں کو عدالتوں کے ذریعے روزگار کا موقع حاصل ہوا۔ اور لاکھوں لوگ جبری برطرفی سے بچ گئے ۔ گزشتہ پندرہ سالوں میں عدالت عالیہ اور عظمیٰ میں جتنے بھی آئینی اور سیاسی مقدمات دائر ہوئے ہیں۔ ہر مقدمے میں کم وبیش اس فیصلے کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس فیصلے کے ثمرات کا اندازہ عام آدمی کر ہی نہیں سکتا۔[19]

۶- موشن پکچرز آرڈیننس ۱۹۷۹ اور اس کے ماتحت بننے والے سینسر شپ رولز اور مارشل لا آرڈر ۱۹۸۱

موشن پکچرز آرڈیننس اور اس سے متعلق دوسرے مارشل لا رولز[20] کو فیڈرل شریعت کورٹ میں چیلنج کیا گیا۔ جناب جسٹس ظہور الحق صاحب نے مقدمہ کی سماعت کے بعد تفصیلی فیصلہ تحریر فرمایا۔ جس میں اس آرڈیننس کی جملہ دفعات میں سے کسی کو بھی خلاف اسلام قرار نہ دیا۔ اس فیصلہ کے خلاف نظر ثانی کی اپیل ہوئی ۔ حضرت ضیاء الامت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فاضل جج صاحب کے فیصلہ سے اختلاف کرتے ہوئے اس آرڈیننس کے بعض حصوں کو خلاف اسلام قرار دیا۔ آپ نے اس فیصلہ میں لکھا کہ متذکرہ بالا آرڈیننس میں فحش غیر اخلاقی حرکات ''عریانی'' اور رقص کی جو تعریفیں کی گئیں وہ اسلامی نقطہ نظر سے تشنہ ہیں۔ اسلام میں مرد اور عورت دونوں کے لیے حکم ہے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو اجنبی مرد وعورت کے کسی بھی ایسے اختلاط کی اجازت نہیں دیتا جو برائی کا سبب بن سکتا ہو۔ اسلام میں یہ حکم بھی صراحتاً مذکور ہے کہ احکامات میں ظاہری صورت حال کو دیکھا جائے گا نہ کہ نیت کو۔ بطور مثال آپ نے تحریر فرمایا: مذکورہ کوڈ میں یہ عبارت ہے کہ انسانی جسم کو برہنہ حالت میں اس نیت کے ساتھ پیش کرنا کہ اس سے شہوانی جذبات برانگیختہ ہوں، ممنوع ہے۔ آپ نے اس کا تجزیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اسلام میں مرد اور عورت دونوں میں سے کسی ایک کو بھی اجازت نہیں ہے کہ وہ اپنے جسم کو برہنہ کر کے سر بازار پھرے خواہ وہ اپنی زبان سے یہ کہہ رہا ہو کہ میں

(19)– اداریہ: **ماہنامہ ساحل**، کراچی، شمارہ مئی ۱۹۹۸ء۔

(20)– PLD 1983, FSC 140.

شہوانی جذبات کو برانگیختہ کر کے لئے ننگے جسم نہیں پھر رہا بلکہ میں تو دھوپ میں غسل کر رہا ہوں۔اس تجزیہ کے بعد آپ نے متعدد قرآنی آیات واحادیث کے حوالہ جات نقل فرمانے کے بعد لکھا:

بداخلاقی، فحش کاری، عریانی اور رقص کی جو تشریح کوڈ میں کی گئی ہے اور اس کی تشریح کی روشنی میں موشن پکچرز آرڈیننس کی دفعات پر عمل کیا جاتا ہے وہ سراسر قرآن وسنت کے خلاف ہیں۔ان کو فوری طور پر بدلنا اور قرآن وسنت کی ہدایت کے مطابق ان کی تشریح کرنا پاکستان کی اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ نیز سینما کے رولز کی دفعہ میں کہا گیا ہے: رات ساڑھے بارہ بجے سے لے کر تین بجے سہ پہر تک کوئی فلم نمائش کے لیے نہیں پیش کی جائے گی۔اس کے بعد نیچے لکھا ہے کہ جمعہ کے دن اور منظور شدہ تعطیلات کے دن گیارہ بجے سے تین بجے سہ پہر تک فلم کی نمائش کی اجازت ہے۔حالانکہ قرآن کریم میں واضح حکم موجود ہے کہ

''جب جمعہ کی آذان دی جائے تو ذکر الہی کی طرف جلدی کرو اور خرید و فروخت بند کر دو۔'' جب جمعہ کی اذان کے بعد خرید و فروخت ممنوع ہے تو کسی فلم کی نمائش کے لیے کیسے اجازت دی جا سکتی ہے! کیونکہ یہ دفعہ قرآن کریم کی اس آیت کے سخت خلاف ہے اس لئے اس کو بھی فوراً بدلنا چاہیے۔

۷- قصاص ودیت: حکومت پاکستان بنام گل حسن وغیرہ (21)

جب سے برصغیر پاک وہند میں انگریز نے اسلامی نظام عدل کی جگہ مغربی نظام متعارف کرایا اس وقت سے لے کر چند سال قبل تک قتل، ضربات شدیدہ اور اس بینچ کے کئی دوسرے مقدمات میں اہل اسلام کو متنوع پریشانیاں لاحق تھیں۔ بالخصوص مقدمات قتل میں قاتل و مقتول کی پارٹیوں میں قانونی طور پر صلح کی گنجائش نہ ہونے کے سبب بعض اوقات صورتحال انتہائی ابتر ہو جاتی۔ قاتل پارٹی، مقتول کے ورثا کو منت سماجت، مال معاوضہ اور دیگر ذرائع سے راضی کرنے میں کامیاب ہو جاتی۔ لیکن قانون گنجائش نہ ہونے کے سبب فریقین میں مصالحت کی کوئی راہ نہ نکلتی۔ مقدمہ قتل میں سزا یافتہ افراد کی سزا کو معاف کرنے کا اختیار صرف گورنر صاحبان اور صدر مملکت کو حاصل تھا۔اس لیے نہ تو ان اعلیٰ عہدے داروں تک عام افراد کی رسائی ہوتی تھی اور نہ انہیں فریقین کے معاملات سے آگاہی ہوتی تھی۔اس لیے یہ معاملہ بھی پالیسی امور کا حصہ بن جاتا تھا اور بمطابق حالات طے ہوتا تھا۔ اس مقدمہ میں مملکت کے مختلف حصوں سے متعدد افراد اور ادارے پارٹی تھے۔ جسٹس پیر محمد کرم

(21) – PLD 1983, FSC 49.

شاہ رحمۃاللہ تعالیٰ علیہ نے مقدمہ کی سماعت کے بعد تمام دلائل کا نہایت وسعت نظری کے ساتھ جائزہ لیا اور بحث ختم کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

اس سیر حاصل بحث اور تحقیق کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ:

i. دفعہ ۳۰۲ اپنی موجودہ شکل میں کتاب و سنت کے خلاف ہے۔ اس کو ایسی عبارت میں ڈھالنا ضروری ہے جس سے قتل عمد کی قرآن کی بیان کردہ سزا کا پہلے ذکر ہو۔ اور اس میں ورثا کی طرف سے معاوضہ کے ساتھ صلح بلا معاوضہ معافی کی گنجائش موجود ہو۔ اس کے بعد عدالت کو بطور تعزیر سزائے قید دینے کا اختیار دیا جائے اور قصاص، صلح، معافی اور تعزیر چاروں کے ضروری احکام مدون کرنے کے لئے قرآن وسنت اور فقہ اسلامی سے استفادہ کیا جائے؛

ii. دفعہ ۳۰۴ اور ۳۰۴اے میں جن صورتوں کا ذکر ہے وہ بالعموم قتل خطا کی تحت آتی ہیں۔ اور چونکہ ان دفعات میں قتل خطا کی قرآنی سزا کا ذکر نہیں ہے اس لئے وہ قرآن و سنت کے خلاف ہے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں قتل خطا کی تعریف از سر نو کر کے اس کی وہ سزا تجویز کرنا ضروری ہے جو قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے۔ اور سورۃ نساء کی آیت ۹۲ میں تفصیل سے مذکور ہے۔ اس میں بھی دیت اور ایسے دیگر امور کا ذکر ہے۔ اس کے بعد عدالت کو بوقت ضرورت بطور قید اور جرمانہ کی سزا دینے کا اختیار دیا گیا اس کو بیان کیا جائے۔ نیز اس جرم کی اس فہرست میں درج کیا جائے گا جو قابل صلح ہیں؛

iii. دفعات نمبر ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۹،۳۳۱، ۳۳۳، ۳۳۵، ۳۳۸ پی پی سی میں ضربات شدیدہ کی سزاؤں کا ذکر ہے اور دفعات بھی قصاص، دیت اور عفو کے احکام سے خالی ہونے کی بنا پر قرآن وسنت کے خلاف ہیں۔ ان کے بجائے ان دفعات کو اس طرح مرتب کیا جائے ان جرائم کی وہ سزائیں یعنی قصاص، دیت (ارش) یا مکمل معافی جیسے سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۴۵ میں اور احادیث نبوی میں مذکور ہے۔ ان کو ذکر کیا جائے اور ان جرائم کو بھی ان جرائم کی فہرست میں درج کیا جائے جو قابل مصالحت ہیں۔

iv. دفعات ۵۴، ۵۵ پی پی سی نیز دفعات ۴۰۱-۴۰۲، ۴۰۲بی کتاب وسنت کے خلاف ہیں؛ کیونکہ ان جرائم میں ملزم کو معاف کرنے کا اختیار صرف مجروح کو ہے، یا مقتول کے وارثوں کو۔ صدر مملکت، وزیراعظم یا گورنر کو معاف کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۳۲ میں مذکور ہے۔ ''اور نہ قتل کرو اس نفس کو جس کو قتل کرنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے مگر حق کے ساتھ اور جو قتل کیا جائے ناحق تو ہم نے مقتول کے وارثوں کو قصاص کے مطالبے کا حق دے دیا ہے پس اسے چاہیے کہ قتل میں اسراف نہ کرے ضرور اس کی مدد کی جائے گی''؛

v. دفعہ نمبر ۳۴۵ (پی سی۔ سی آر) ان جرائم کو قابل مصالحت جرائم کی فہرست میں درج نہیں کیا گیا حالانکہ قرآن اور سنت نے انہیں قابل مصالحت قرار دیا ہے؛ اس لئے اس دفعہ میں ایسی ترمیم کی جائے جس سے اس دفعہ کا قرآن وسنت سے تعارض ختم ہو جائے؛

vi. دفعات ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹ اے (پی پی سی) احکام شریعت کے خلاف ہیں؛ کیونکہ ان میں صرف عدالت کو معافی دینے کا کامل اختیار دیا گیا ہے اور مقتول کے وارثوں اور مضروب شخص کی اجازت کو ضروری قرار نہیں دیا گیا، حالانکہ شریعت اسلامیہ میں معاف کرنے کا حق مقتول کے وارثوں کو حاصل ہے اور مضروب کو خود معاف کرنے کا حق حاصل ہے؛ لہذا ان دفعات میں ایسی ترمیم کی جائے جس سے ان دفعات کا قرآن و سنت سے تعارض ختم ہو جائے؛

vii. دفعات ۱۰۹-۱۱۱ (پی پی سی) کے بارے میں ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ جرم میں اعانت کی کوئی ایک صورت نہیں بلکہ مختلف صورتیں ہیں۔ قتل یا ضرب کی بعض صورتیں احادیث کی رو سے ایسی ہیں جن کی سزا وہ نہیں ہے جو اصل مرتکب کی سزا ہے؛ لہذا ان دفعات کے عموم سے قتل اور ضرب کے جرائم کو خارج کرنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر یہ دفعات اپنے موجودہ عموم کی وجہ سے قرآن و سنت کے خلاف ہیں۔ قتل و ضرب میں اعانت کی مختلف صورتوں کو ایک عنوان کی نیچے درج کرنا مشکل ہے۔ فقہاے اسلام نے ان صورتوں کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا ہے۔ قانون سازی کے وقت ان سے استفادہ کیا جائے

viii. دفعہ نمبر ۳۸۱ میں ہے کہ آخری عدالت کے حتمی فیصلہ کے بعد سیشن جج کو مجرم کو پھانسی لگانے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ چونکہ شریعت نے مقتول کے وارثوں کو آخری دم تک قاتل کو قصاص معاف کرنے کا اختیار دیا ہے۔ عدالت کے فیصلہ کے بعد بھی اگر مقتول کے وارث چاہیں تو قاتل کو معاف کر سکتے ہیں؛ اس لئے یہ دفعہ اس حد تک قرآن و سنت سے متصادم ہے کہ اس سے وارثوں کے معاف کر دینے یا صلح کرنے کے بعد بھی مجرم کو سزاے موت کا اہتمام کرنے کا حکم معلوم ہوتا ہے۔ اس دفعہ کو اس طرح مرتب کیا جائے کہ حکم شرعی سے اس کا تعارض ختم ہو جائے۔

ان تفصیلات کے تابع ہم وفاق پاکستان کی اپیل ۱۹۸۰/۱۱ اور ۸۱/۱۳ کو مسترد کرتے ہیں۔ نیز محمد شفیع محمدی کی اپیل کو بھی مسترد کیا جاتا ہے البتہ اس کے ایک حصہ کو جزوی طور پر منظور کیا جاتا ہے۔[22]

اس کے علاوہ شریعت اپیل نمبر ۸۶،۳، ۸۴،۹، ۸۴،۱۰، ۸۴،۱۱، ۸۴،۱۲، ۸۵،۳، ۸۳،۱، ۸۶،۲ اس حد تک منظور کیا جاتا ہے۔ جہاں تک ان کا تعلق سی آر۔ پی سی کی دفعہ نمبر ۳۸۱ سے ہے۔ کیوں کہ پہلے فیصلہ کر چکے ہیں کہ دفعہ نمبر ۳۸۱ قرآن و سنت کے خلاف ہے۔

آخر میں جسٹس محمد افضل ظلہ چیئرمین، ڈاکٹر نسیم حسین شاہ کے انگریزی نوٹ اور جسٹس محمد تقی عثمانی صاحب کے تائیدی کلمات بھی درج ہیں۔ جسٹس محمد تقی عثمانی صاحب تائیدی ریمارکس میں لکھتے ہیں کہ میں نے ان مقدمات میں گرامی قدر جناب جسٹس پیر محمد کرم شاہ صاحب کے مجوزہ فیصلے کا مطالعہ کیا ہے۔ ان کی سیر حاصل بحث اطمینان بخش ہے اور مجھے ان کے اخذ کردہ تمام نتائج سے اتفاق ہے تاہم ان کی تائید میں چند نکات کی

---

(22)۔ حافظ احمد بخش، **جمال کرم**، ص ۳۷۷۔

وضاحت کرنا چاہوں گا جناب جسٹس محمد تقی عثمانی صاحب کے ذاتی فیصلے کے بعد بینچ کے تمام ممبران نے فیصلہ کو متفقہ طور پر منظور کر لیا۔[23]

۸- تصویر کی شرعی حیثیت: فیصلہ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازھری (اپیل کنندہ ابوداؤد محمد صادق)

قومی رجسٹریشن ایکٹ ۱۹۷۳ء کے تحت پاکستان کے ہر شہری کے لئے یہ لازمی قرار دیا گیا ہے۔ کہ وہ حکومت پاکستان کے پاس اپنے آپ کو رجسٹر کرا کر ایک شناختی کارڈ حاصل کرے۔ جس پر اس کی تصویر چسپاں ہو۔ اپیل کنندہ ابوداؤد محمد صادق نے یہ موقف اپنایا کہ جاندار اشیاء کی تصویر بنانا شریعت اسلامیہ کے احکام کے خلاف ہے۔ اس لئے شناختی کارڈ پر تصویر لگانے کی پابندی ختم ہونی چاہیے۔ اور اس خلافِ شرع ایکٹ کو کالعدم قرار دینا چاہیے۔ وفاقی شرعی عدالت نے اپنے فیصلہ مورخہ ۳ دسمبر ۱۹۸۰ء کے تحت اپیل کنندہ کے موقف کو تسلیم نہ کرتے ہوئے اس درخواست کو خارج کر دیا۔ اپیل کنندہ نے وفاقی شرعی عدالت کے اس فیصلے کے خلاف یہ اپیل سپریم کورٹ کے شریعت اپیلنٹ بینچ میں دائر کی۔ جس کا فیصلہ بڑے مبسوط طریقے سے جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازھری نے تحریر فرمایا۔ آپ نے اپنے فیصلے میں وہ تمام احادیث پاک ایک خاص ترتیب سے پیش کیں۔ جن میں تصاویر و تماثیل کے بارے میں حکم بیان ہوا ہے۔ اور یہ ثابت کیا کہ اس حکم کی نوعیت یکساں نہیں ہے۔ بعض احادیث ایسی ہیں۔ جن سے ہر قسم کی تصویر کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ بعض احادیث ایسی ہیں جن سے مطلقاً کراہت ثابت ہوتی ہے۔ اور بعض احادیث ایسی بھی ہیں جن سے بعض تصاویر کا مباح ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ان احادیث کو متعارض المعنیٰ قرار دے کر ساقط الاعتبار کر دینا کسی طرح قرین دانشمندی نہیں؛ کیونکہ دونوں میں تعارض اس وقت رونما ہوتا ہے جب کہ قوت میں ساری احادیث یکساں ہوں اور باہم تطبیق کی کوئی صورت نہ ہو۔ اس فیصلے کے صفحات میں پیر صاحب نے احادیث پاک میں اس ظاہری تعارض کو رفع کرنے کے لئے جس خوبصورتی سے بحث فرمائی ہے وہ قابل مطالعہ ہے۔ بحث کے مطالعہ سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک محدث، متکلم، اصولی، فقیہ اور قادر الکلام ادیب ہم سے مخاطب ہیں۔ تمام احادیث پیش کرنے کے بعد آپ نے درج ذیل نتیجہ اخذ فرمایا:

---

(23)– PLD 1985, FSC 75.

وہ تصاویر جو مجسم نہ ہوں اور کامل الاعضاء بھی نہ ہوں۔یعنی ان میں ایسا کوئی عضو مفقود ہو جن کے بغیر حیات انسانی متصور نہیں ان کو فقہائے احناف نے جائز اور مباح قرار دیا ہے۔وہ تصاویر جو مجسم تو نہ ہوں لیکن کامل الاعضاء ہوں تو ان کو مکروہ کہا جائے گا۔لیکن عورتوں اور مردوں کی برہنہ تصاویر اور نیم برہنہ تصاویر اور ایسی تصاویر جن میں مرد وزن کا بے محابہ اختلاط ظاہر کیا گیا، یا ایسی تصاویر جن سے نوجوان نسل کے اخلاق بگڑنے کا اندیشہ ہو ان کی حرمت بحالہ قائم رہے گی۔ اس پر آشوب دور میں جبکہ عیاری اور مکاری ایک فیشن کی صورت اختیار کر چکی ہے۔شناختی کارڈ کا بنوانا ضروریات میں شامل ہے۔جو لوگ ہر قسم کی تصویر کے عدم جواز کے قائل ہیں وہ بھی اس ضرورت کے پیش نظر اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔ الضرورات تبیح المحظورات فقہ کا ایک عام قاعدہ ہے لیکن بغور دیکھا جائے تو شناختی کارڈ پر جو تصویر ہوتی ہے۔وہ ناقص الاعضاء ہوتی ہے۔اس میں جسم کا نچلا تمام حصہ مفقود ہوتا ہے۔اس کے بغیر زندگی ممکن نہیں کہ اس لئے ایسی تصاویر فقہائے احناف کے نزدیک مباح ہے۔یہی صورت حال پاسپورٹ وغیرہ کے بارے میں بھی ہے۔ان حقائق کی روشنی میں ہم ابو داؤد محمد صادق کے دینی جذبے کی قدر کرنے کے باوجود ان کی اس اپیل کو مسترد کرتے ہیں اور قومی رجسٹریشن ایکٹ ۱۹۷۳ء میں ہمارے خیال میں کوئی ایسی چیز نہیں جو کتاب وسنت کے خلاف ہو تاکہ اس میں کسی قسم کی ترمیم ضروری ہو۔[24]

فاضل جسٹس کے عدالتی فیصلوں کا تجزیہ

فاضل جسٹسؒ پیر محمد کرم شاہ الازھری کے قلم سے صادر شدہ فیصلہ جات اسلامی جمہوریہ پاکستان کے مروجہ آئین و قانون کو درست خطوط پر استوار کرنے اور اسلامی قالب میں ڈھالنے کے حوالے سے راہنما ہیں۔ آپ نے آئین پاکستان کے متعدد آرٹیکلز اور دیگر قوانین کی متعدد دفعات کو خلاف شرع قرار دیتے ہوئے کالعدم قرار دیا۔ آپ نے اپنے فیصلوں میں اسلامی قانون سے متعلق جملہ مواد اور نظائر کو پیش کیا ہے۔اور فقہ اسلامی کے بنیادی ذخیرہ کتب سے حاصل شدہ قانونی مواد کو بطور بنیاد جگہ دی ہے۔آپ نے اپنے عدالتی فیصلوں میں جن ماخذ سے استفادہ کیا ہے ان میں سے چند کو بطور مثال پیش کیا جاتا ہے۔ جس سے قرآن وسنت اور اصول فقہ وحدیث پر آپ کی دسترس کا اندازہ ہو گا۔

قرآن کریم: آپ نے اپنے اکثر فیصلوں کی بنیاد قرآنی احکام پر رکھی اور متعدد عدالتی فیصلہ جات بعنوان ’’تصویر حرمت واباحت، غنا کا جواز وعدم جواز، رجم حد ہے، انعامی بانڈ کی شرعی حیثیت، دیت، سرکاری ملازم کے حقوق‘‘ میں قرآن اور علوم قرآن کو اپنے موقف اور فیصلے کی بنیاد بنا کر فیصلہ صادر فرمایا۔ قرآنی الفاظ وکلمات کی تفہیم، شانِ نزول، مقاصد، اہل عرب کے رسم ورواج، اسبابِ نزول، قصاص ودیت کے مقاصد، ملزمان کے

(24)— ابو داؤد محمد صادق بنام وفاق پاکستان، چیف جسٹس محمد افضل ظلہ (چیئرمین) شریعت اپیل نمبر ٦ آف ١٩٨١ء۔

مابین جرائم کے مطابق اصول مساوات (Rule of consistancy) کا لحاظ، حکمران اور رعایا کے مابین کئے گئے وعدوں کی پاسداری اور ان کی خلاف ورزی (violation) کے مضمر اثرات کو قرآنی کریم کی آیات کی روشنی میں بیان فرمایا ہے۔

سنت نبوی: فقہ اسلامی کا دوسرا اہم ماخذ سنت نبوی ہے۔ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ نے اپنے متدائرہ فیصلوں میں سنت نبوی کو بطور نظیر پیش کیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ سنت نبوی ﷺ کے حوالے سے چند اہم اور بنیادی نوعیت کے اصول بھی وضع کئے ہیں۔ آپ نے اپنے عدالتی فیصلوں بعنوان "رجم حد ہے"، فیصلہ شفعہ، فیصلہ دیت، فیصلہ سرکاری ملازم، فیصلہ تصویر کے احکامات میں سنت نبوی ﷺ کو بنیاد بناتے ہوئے ایسے روشن اصول وضع فرمائے جو ہمیشہ اسلامی عدالتوں میں بطور قانونی نظائر پیش ہوتے رہیں گے۔

علاوہ ازیں اپنے عدالتی فیصلوں میں فاضل جسٹسؒ نے دیگر مصادر وماخذ کو بطور نظائر پیش کرتے ہوئے اپنے دلائل کو تقویت بہم پہنچائی ہے۔ جن میں حضور نبی رحمت ﷺ کے عدالتی فیصلے اور انتظامی احکامات، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عدالتی فیصلہ جات، مفسرین، محدثین، فقہا، اصولیین کی آرا کے ساتھ ساتھ آپ نے قواعد فقیہ، عرف، عدالتی نظائر، ماہرین قانون کی آرا اور ملکی و بین الاقوامی قوانین سے بھی استفادہ کیا ہے۔[25]

فاضل جسٹس صاحب نے اپنے فیصلہ بعنوان زنا آرڈیننس جو انہوں نے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف بطور اپیل سماعت کیا تھا، میں ماہرین قانون کی آرا کو جگہ دی ہے اور ضابطہ کے حوالہ سے قرار دیا ہے کہ ماہرین قانون کے نزدیک اگر عدالت ملزم (Accused) کو ان الزامات (Allegations) سے بری کر کے رہا کر دیتی ہے تو اس کے خلاف دائر کی جانے والی اپیل کو سرسری نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے بلکہ اعلیٰ عدالت ماتحت عدالت کے فیصلے کو اس وقت تک تبدیل نہ کرے جب تک مقدمہ کے تمام پہلوؤں کی اچھی طرح چھان بین نہ کر لے۔ اسی طرح اپنے فیصلہ عنوانی (دیت) میں عقلی دلائل کو بطور (Ground) پیش کرتے ہوئے اس کی بنیاد قرار دیا ہے۔ پاکستان میں ریاستی آئین کو ہمہ نوع کی بالادستی حاصل ہے۔ فاضل جسٹس نے اپنے متعدد عدالتی فیصلوں میں ملکی قوانین کو بھی بطور نظیر پیش کیا ہے۔ آپ نے اپنے عدالتی فیصلہ عنوان "حدود آرڈیننس" میں شناختی کارڈ سے متعلقہ قواعد، یونین کونسل میں نکاح کی رجسٹریشن سے متعلقہ قواعد میں پنجاب شفعہ ایکٹ،

---

(25)— فاضل جسٹس کے فیصلوں میں مذکورہ تمام آخذ کی مثالیں دیکھنے کے لئے مطالعہ کیجئے: قاضی عبدالقدیر قذافی، "جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری کے عدالتی فیصلوں کی بنیادیں"، ماہنامہ **ضیائے حرم**، اسلام آباد: ۴: ۴۱-۴۲ (۲۰۱۲)، ص ۵۵۔

ویسٹ پنجاب شفعہ ایکٹ، محمڈن لا، مسلم پرسنل لا، شریعت ایکٹ ۱۹۶۲ء، ۱۹۸۴ء کی بعض دفعات کو زیر غور لاتے ہوئے بطور نظیر پیش کیا ہے۔

فاضل جسٹسؒ کے اختلافی نوٹس

فاضل جسٹسؒ کا دیگر ممبران بنچ کے ساتھ بعض اہم اور انتہائی حساس نوعیت کے شرعی مقدمات میں اختلاف بھی ہوا اور آپ نے اختلافی نوٹ بھی تحریر کئے۔ جن کے مطالعہ سے یہ پتا چلتا ہے کہ فاضل جسٹسؒ کے یہ اختلافی نوٹ ذاتی نمود و نمائش، علمی برتری، ذاتی عناد اور صرف اپنے ہی نقطہ نظر کی من مانی کے لئے نہیں تھے بلکہ آپ کے پیش نظر انتہائی خلوص، احساس ذمہ داری اور دینی جذبہ کے تحت متدائرہ مقدمات پر شرعی نقطہ نظر کو جملہ پہلوؤں سے بیان کرنا مقصود ہوتا تھا۔ فاضل جسٹسؒ نے اختلافی نوٹ لکھتے وقت دیگر فاضل ممبران کی عزت و احترام، مقام و مرتبہ، علمی و قانونی قابلیت اور پیش کردہ دلائل کو بھی ملحوظ خاطر رکھا اور اپنے موقف کی تائید میں اپنے وسیع تر مطالعہ کو پیش کیا۔

فاضل جسٹسؒ نے اپنے موقف کا اظہار بڑی جرأت و بے باکی، دینی جذبہ، وسعت مطالعہ، نئی نئی اسلامی قانونی اصطلاحات کی تشکیل، مروجہ اسلامی اصطلاحات کی جدید تشریحات، جدید و قدیم قانونی اصطلاحات کے مابین مطابقت و عدم مطابقت، ادبی کلمات اور شائستہ اسلوب اور طرز نگارش سے کیا ہے جس کی تصدیق آپ کے متعدد فیصلوں سے ہوتی ہے۔ موشن پکچرز آرڈیننس ۱۹۷۹ء کو جب چیلنج کیا گیا تو فاضل جسٹس ظہور الحق نے آرڈیننس متذکرہ کو درست قرار دیا۔ جب کہ فاضل جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ نے آرڈیننس متذکرہ کو خلاف شرع قرار دیتے ہوئے ترمیم کا حکم دیا اور فاضل جسٹس ظہور الحق کے فیصلے سے اختلاف کرتے ہوئے یہ قرار دیا کہ "اب اس مسئلہ کا کیا علاج ہے کہ کوئی عورت یا مرد بالکل عریاں حالت میں پیش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے ہمارا مقصد صرف دھوپ میں غسل کرنا ہے کسی کے شہوانی جذبات کو برانگیختہ کرنا نہیں ہے۔"(26)

فاضل جسٹسؒ کا مولانا محمد تقی عثمانی سے اختلاف بہت ہی کم دیکھنے میں آیا۔ اکثر مقدمات میں ان دو فاضل جسٹس صاحبان ایک ہی موقف کے حامل رہے ہیں۔ تاہم چند مقدمات میں آپ نے جسٹس تقی صاحب کے ساتھ انتہائی شائستہ اسلوب میں اختلاف بھی کیا۔ مثلاً ایک مقدمہ کے فیصلے میں آپ جسٹس تقی عثمانی صاحب کی رائے

(26) – PLD 1983, FSC 140.

سے اپنے اختلاف کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ ''جناب جسٹس محمد تقی عثمانی کے فاضلانہ فیصلے کا میں نے بڑے غور و خوص سے مطالعہ کیا۔ انہوں نے مقدمہ کے ہر پہلو کا تفصیل سے جائزہ لیا ہے، وہ قابل تحسین ہے لیکن اس کے باوجود میں ان کے فیصلہ سے اتفاق کرنے سے قاصر ہوں۔''(27)

ماہرین قانون کے مابین یہ مقولہ شہرت حاصل کر چکا ہے کہ Justice delayed is justice denied(انصاف کی فراہمی میں تاخیر انصاف سے انکار کے مترادف ہے)۔ فاضل جسٹسؒ کے فیصلوں کے مطالعہ سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ آپ نے انصاف کی جلد فراہمی کے حصول کو انتہائی ذمہ داری کے ساتھ نبھایا ہے اور کسی قسم کی تاخیر روا نہیں رکھی۔ جب بھی متدائرہ مقدمہ کی حتمی ساعت مکمل ہوئی تو اسی روز یا ایک دن بعد فیصلہ کا اعلان کر دیا گیا جو فاضل جسٹسؒ کے احساس ذمہ داری کا مظہر ہے۔

فاضل جسٹسؒ ایک ماہر عالم دین تھے جن کی ضرورت ہر طبقہ اور ہر شعبہ میں محسوس کی جارہی تھی۔ حکومت پاکستان نے بعض ملکی و بین الاقوامی سطح پر اہم اور حساس نوعیت کے معاملات بھی آپ کے سپرد کئے تھے جن کی بجا آوری میں بھی آپ انتہائی مصروف عمل رہتے تھے۔ اس کے باوجود آپ نے دیگر ہر قسم کی اہم مصروفیت کی نسبت عدالتی مصروفیت اور ذمہ داریوں کو ترجیح دی۔ آخری عمر میں علیل ہونے کے باوجود اپنے Retiririg Room میں موجود ہوتے اور اس امر کے انتظار میں ہوتے کہ کوئی شہری درخواست دائر کروائے اور اس کی درخواست پر اسلامی قانون سازی کا موقع میسر آئے۔

حضرت علیؓ کا قول ہے کہ ریاست کفر پر تو چل سکتی ہے لیکن ظلم پر ریاست کے معاملات نہیں چلائے جا سکتے۔ فاضل جسٹسؒ کو اس امر کا گہرا ادراک تھا۔ آپ کے لکھے ہوئے فیصلہ جات نے پاکستان میں اسلامی قانون سازی کے لئے اہم کردار ادا کیا ہے۔ آپ آئین، آرڈیننس اور مختلف ایکٹ ہا میں شریعت اسلامیہ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ترامیم کیں اور بعض کو شریعت اسلامیہ سے متصادم و منافی سمجھتے ہوئے کالعدم قرار دیتے ہوئے پارلیمنٹ کو اسلام کے مطابق قانون سازی کرنے کا پابند کیا۔ ملک بھر اور آزاد کشمیر کی عدالتوں میں فاضل جسٹسؒ کے صادر شدہ فیصلے جات نے عدلیہ کی راہنمائی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ فاضل جسٹسؒ کے جملہ مطبوعہ فیصلہ جات کو کتابی شکل میں مرتب کر کے علماے کرام، مفتیان عظام اور اصحاب علم و دانش کی

(27) – PLD 1985, FSC 75.

خدمت میں پیش کیا جائے تاکہ موجودہ دور میں فاضل جسٹس ؒ کے تحریر کردہ قانونی و شرعی مقدمات سے راہنمائی حاصل کی جاسکے اور مفتی صاحبان اپنے فتاویٰ جات میں انہیں بطور حوالہ درج کریں۔ فاضل جسٹس ؒ اسلاف کے کردار اور اخلاق حسنہ کا بھی اعلیٰ نمونہ تھے۔

خلاصہ کلام

مذکورہ بالا سطور میں ہم نے دیکھا کہ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازھری نے کس قدر عرق ریزی جاں فشانی اور جدوجہد سے کام لیتے ہوئے پاکستانی عدالتی قوانین کو اسلامیانے میں اپنا مثبت کردار ادا کیا۔ اور دسیوں ایسے فیصلے صادر فرمائے جو بعد میں آنے والے وکلا اور ججز کے لئے مینارہ نور بن گئے۔ آپ نے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دکھایا کہ اگر اخلاص اور للٰہیت سے کام لیا جائے تو ناامیدی اور یاس و قنوط کے ماحول میں امید کی کرنیں کھلائی جا سکتی ہیں۔ حضرت ضیاء الامت کے قانون اسلامی سے دلی لگاؤ اور شریعت اسلامیہ سے قلبی وابستگی کے مظاہر ان فیصلوں میں جابجا نظر آتے ہیں۔ وفاقی شرعی عدالت ہو یا سپریم کورٹ کا شرعیت اپیلنٹ بنچ، آپ کے قلم سے صادر ہونے والے فیصلے مستقبل کے قانون دانوں کے لئے مشعل راہ کا کام دیتے رہیں گے۔ آپ نے عدالتی نظائر میں ایسے اہم نظائر کا اضافہ فرمادیا ہے۔ جو مملکت خداداد پاکستان کی عدلیہ کی تاریخ لکھنے والوں کو ہر دور میں اپنی جانب متوجہ کرتے ہی رہیں گے۔ ان فیصلوں میں آپ کے سینہ گنجینہ میں محفوظ علوم کا واضح اظہار موجود ہے۔ ڈاکٹر نور احمد شاہتاز نے ایک مضمون میں بجا طور پر لکھا: بعض لوگوں کو بڑا منصب مل جائے تو کہا جاتا ہے کہ اس کے بھاگ جاگ گئے اور کبھی کسی مسند کو بڑا آدمی میسر آجائے تو مسند کے بھاگ جاگ جایا کرتے ہیں۔ ضیاء الامت ؒ کے لئے یہ مسند اظہار واستعمال علم و فراست کا ایک موقع تھا آپ نے اس اہم ترین اور نازک ترین ذمہ داری کو بطور چیلنج قبول کیا۔ (28)

شکوہ ظلمت شب سے تو کہیں بہتر ہے　　　اپنے حصے کی کوئی شمع جلاتے جائیں

****

(28)— نور احمد شاہتاز، ''جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری ؒ بحیثیت قانون دان''، **ماہنامہ ضیائے حرم**، اسلام آباد، ۴: ۴۲، (۲۰۱۲ء)، ص ۴۰۔